Baitussalam.org | Baitussalam_org | Baitussalam_org | +9221-111-298-111

دینی اخلاق اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ فہمِ دین

•جلد06/•شمارہ05/•دسمبر2017

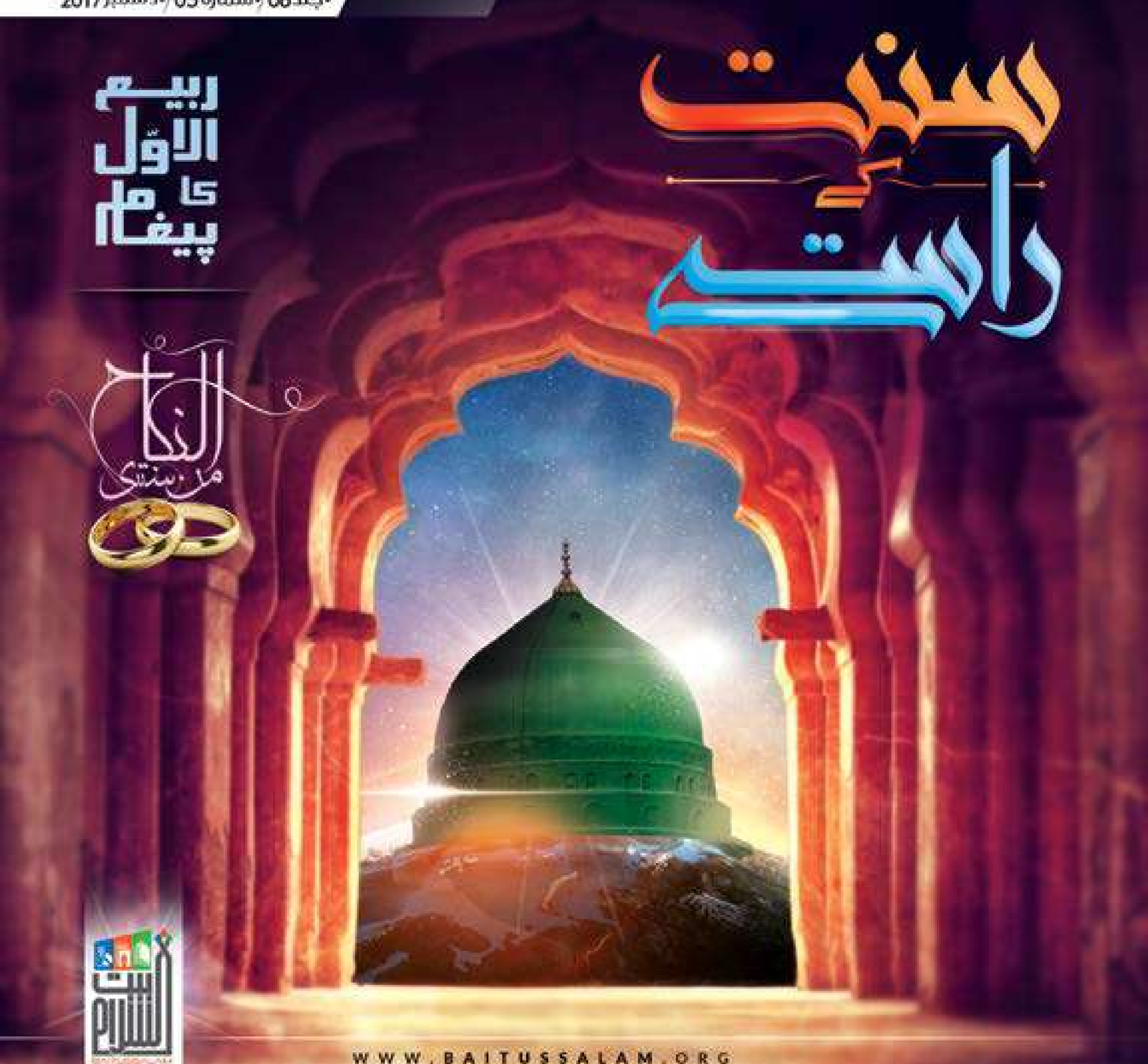

سنت کے راستے

ربیع الاول کا پیغام

النکاح من سنتی

زیر سرپرستی

عبدالستار

فہم وفکر

سنت کے راستے	نائب مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہمِ حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہٗ اللہ	08

مضامین

رزقِ حلال کی برکت	حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمیؒ	10
ربیع الاوّل کا پیغام	محمد خرم شہزاد	12
حلیہ مبارک ﷺ	حضرت مولانا عبد الحیؒ	14
رسول اکرم ﷺ کے اخلاق	علی احمد ینگ	16
بیلنس لائف	ڈاکٹر ذیشان الحسن عثمانی	18
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	20
باورچی خانہ اور ہماری صحت	حکیم شمیم احمد	22

خواتینِ اسلام

انٹرویو نئی نویلی سہیلی کا	سعدیہ خان	25
وہی تو ہے	نفیسہ سعید	26
باپ کا بیٹی کے نام خط	محمد دانش	29
وزن کم	اہلیہ ساجد عیسانی	30
النکاح من سنتی	روبینہ عثمان	33
اسلام کی باہمت خواتین	اہلیہ محمد فیصل	35

باغیچۂ اطفال

لّلو کالّو	ڈاکٹر الماس روحی	36
خوشی محل	سویرا افلاک	38
ننھے ادیب		42
انعامات ہی انعامات		40
بچوں کے فن پارے		41

بزمِ ادب

موجِ تبسّم	ابنِ تبسّم	44
ختمِ نبوت	جوہر عباد	45
گلدستہ	ادارہ	46
باتیں آپ کی	ادارہ	48

اخبار الاسلام

خبرنامہ	ادارہ	49

دینی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

کراچی

دسمبر 2017ء

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	محمد کاشف تبسم
ناظم	خالد عبدالرشید
کمپوزنگ	مظفر یوسف
نگرانی	طارق محمود
تزئین وآرائش	نوید فرید

آراء وتجاویز کے لیے

0304-0125750 | 0333-4573885

ڈاک سے متعلق امور کے لیے

0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے

0314-2981344

marketing@fahmedeen.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالہ کے اجراء کے لیے

26-C گراؤنڈ فلور بن بیت کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ:	40 روپے
اندرون کراچی سالانہ (بذریعہ کوریئر):	520 روپے
بیرون کراچی سالانہ (بذریعہ رجسٹری):	520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک	35 ڈالر

ناشر | مطبع | مقام اشاعت: دفتر فہم دین

سنت کے راستے

نائب مدیر کے قلم سے

قارئین !...! ہماری زندگی کے شب و روز اور لیل و نہار کا کوئی گوشہ ‘لمحہ اور پہلو ایسا بھی ہے ‘جس میں محمد ﷺ کا اسوۂ حسنہ ‘بہترین نمونہ اور آئیڈیل موجود نہ ہو؟

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

”حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے۔“ (احزاب : 21) شاید دنیا کی محبت کا کسی کی آنکھوں پر پڑا پردہ اسے اپنے نبی ﷺ کی پیاری سیرت اور مبارک سنتوں سے غافل کر سکتا ہے ‘و گرنہ تو صبحِ قیامت تک نبیٔ رحمت ﷺ کے ہاتھوں ‘امت کی کامل و اکمل راہ نمائی کا بند و بست پوری شان سے ہو چکا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا (لہٰذا اس دین کے احکام کی پوری پابندی کرو)“ (مائدہ : 3)

ہر ہر امتی کو اپنے آخری نبی ﷺ سے صرف محبت نہیں ‘بل کہ بے پناہ عشق ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ

”ایمان والوں کے لیے یہ نبی ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہے۔“ (الاحزاب : 6) کیا ہم نے کبھی اس محبت میں ڈوب کر اپنے آقا ﷺ پر درود و سلام بھیجا ہے؟؟ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

”اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجا کرو۔“ (احزاب : 56)

بات محبت کی ہے ‘عشق کی ہے...آقا! ہم نے آپ سے محبت کا دعویٰ کیا ہے... کیا واقعی ہم اس دعوے میں سچے ٹھہرے...؟؟ خود خالقِ کائنات ہمارے اس سوال کا جواب دے رہے۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ۔

”(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو ‘اللہ تم سے محبت کرے گا۔ (آلِ عمران : 31) سبحان اللہ! اللہ سے محبت کی نشانی محمد ﷺ کی پیروی ‘اطاعت ‘فرماں برداری اور سر تسلیم خم کر دینا ہے اور خود محمد ﷺ کی محبت کے دعوے دار...جی ہاں! عشقِ مصطفیٰ ‘عشقِ مصطفیٰ کی مالا جپنے والے لوگ ‘محمد ﷺ کی زندگی کو بہترین آئیڈیل اور نشانِ منزل بنائے بغیر کیسے جی سکتے ہیں؟؟ ایک عرب شاعر نے محبت کی اسی علامت کو کس احسن انداز سے ادا کیا ہے۔

اِنْ کَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهُ
اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعُ

ارے محبت ‘محبت کے نعرے بلند کرنے والے اگر تُو محبت میں سچا ہوتا تو اپنے محبوب کی فرماں برداری کرتا ‘کیوں کہ محبوب کے اشاروں پر چلنا اور بات ماننا ہی تو سچے عشق کی علامت ہے۔ ہمارے محبوب ﷺ کی اطاعت کیا ہے...؟ اس کا راستہ کون سا ہے...؟ اسے کیا کہتے ہیں...؟ سنت! سنت! سنت...! ارے سنت ‘جی ہاں! سنت ہی تو سچے عشق کی نشانی ہے...آہا! حکیم اختر مرحوم کس موقع پر یاد آ رہے ہے ...!

نقشِ قدم نبی کے ہیں جنت کے راستے
اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے

قارئین... ! سنت ہے کیا...؟ اس کا مفہوم کیا ہے...؟ علمائے امت سنت سے کیا مراد لیتے ہیں...؟ سنت کا نام لینا الگ چیز ہے اور اپنی زندگی کا ہر عمل سنت کے ڈھانچے میں ڈھال لینا اور چیز ہے... ہم تو یہی سمجھتے ہیں نا! بس مسواک کر لی تو میں سنتوں کا پابند...ہاتھ سلیقے سے دھو لیے تو میں عاشقِ صادق... عمامہ باندھ لیا تو میں سنت کا راہی... یہ سب سنتیں مبارک! صد مبارک...

نبی ﷺ کی ہر ہر ادا سر آنکھوں پر... مگر سنت کا مفہوم تو بہت وسیع ہے...ایسی وسعت کہ جس میں قیامت تک کے ہر انسان کی ذاتی اور اجتماعی زندگی سما جائے... سنت کا دائرہ تو ذاتی زندگی سے لے کر خاندانی ‘ملکی اور عالمی سطح تک جا پھیلتا ہے...

قارئین... ! آیئے ہم زندگی کے ہر ہر موڑ پر سنت کی راہ اپنائیں ماہ نامہ فہمِ دین بہت جلد انشاء اللہ سنت کے موضوع پر ایک مستقل سلسلہ جاری کرنے کا ارادہ رکھتا ہے ‘اس بارے میں آپ کی آراء ‘تجاویز اور مشوروں کا انتظار رہے گا۔ والسّلام

اصلاحی سلسلہ

فہمِ قرآن

(آلِ عمران: 60-65)

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ 60

ترجمہ: ”حق وہی ہے جو تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے ‘لہٰذا شک کرنے والوں میں شامل نہ ہو جانا۔“ 60

فَمَنْ حَآجَّكَ فِیْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَکُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ 61

ترجمہ: تمہارے پاس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا) جو صحیح علم آگیا ہے اس کے بعد بھی جو لوگ اس معاملے میں تم سے بحث کریں تو ان سے کہہ دو کہ : ”آؤ‘ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے لوگوں کو اور تم اپنے لوگوں کو پھر ہم سب مل کر اللہ کے سامنے گڑگڑائیں [1] اور جو جھوٹے ہوں ان پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔“ 61

تشریح نمبر 1: اس عمل کو مباہلہ کہا جاتا ہے ‘جب بحث کا کوئی فریق دلائل کو تسلیم کرنے کے بجائے ہٹ دھرمی پر تل جائے تو آخری راستہ یہ ہے کہ اسے مباہلہ کی دعوت دی جائے ‘جس میں دونوں فریق اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا یا باطل پر ہو وہ ہلاک ہو جائے ‘جیسا کہ اس صورت میں بیان ہوا ہے۔ شہرِ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا تھا ‘اس نے آپ ﷺ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی پر بحث کی جس کا اطمینان بخش جواب قرآن کریم کی طرف سے پچھلی آیتوں میں دے دیا گیا۔ جب وہ کھلے دلائل کے باوجود اپنی گمراہی پر اصرار کرتے رہے تو اس آیت نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا کہ وہ انھیں مباہلہ کی دعوت دیں ‘چناں چہ آپ ﷺ نے ان کو یہ دعوت دی اور خود اس کے لیے تیار ہو کر اپنے اہلِ بیت کو بھی جمع فرما لیا ‘لیکن عیسائیوں کا وفد مباہلے سے فرار اختیار کر گیا۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ 62

ترجمہ: ”یقین جانو کہ واقعات کا سچا بیان یہی ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یقینا اللہ ہی ہے جو اقتدار کا بھی مالک ہے ‘حکمت کا بھی مالک ہے۔“ 62

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِالْمُفْسِدِیْنَ 63

ترجمہ: پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو اللہ مفسدوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ 63

قُلْ یٰاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ 64

ترجمہ: (مسلمانو! یہود و نصاریٰ سے) کہہ دو کہ ”اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ ‘جو ہم تم میں مشترک ہو ‘(اور وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔“ پھر بھی اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو : ”گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔“ 64

یٰاَهْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰةُ وَالْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ 65

ترجمہ: اے اہلِ کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں بحث کرتے ہو ‘حالاں کہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی تو نازل ہوئی تھیں ‘کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں ہے؟ 65

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

فہمِ حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمَلَةِ وَ الْمِسْكِیْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اَحْسِبُهٗ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا یَفْتُرُ وَ كَالصَّائِمِ لَا یُفْطِرُ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی بے چاری بے شوہر والی عورت یا کسی مسکین حاجت مند کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا بندہ (اللہ کے نزدیک اور اجر و ثواب میں) راہِ خدا میں جہاد کرنے والے بندے کے مثل ہے اور میرا گمان ہے کہ یہ بھی فرمایا تھا کہ اس قائم اللیل (یعنی شب بیدار) بندے کی طرح ہے جو (عبادت اور شب خیزی میں) سستی نہ کرتا ہو اور اس صائم الدہر بندے کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو، کبھی ناغہ نہ کرتا ہو۔

تشریح... ہر شخص جو دین کی کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، جانتا ہے کہ راہِ خدا میں جہاد و جانبازی بلند ترین عمل ہے، اسی طرح کسی بندے کا یہ حال ہے کہ اس کی راتیں عبادت میں کٹتی ہوں اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو، بڑا ہی قابلِ رشک حال ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک یہی درجہ اور مقام ان لوگوں کا بھی ہے، جو کسی حاجت مند مسکین یا کسی ایسی لاوارث عورت کی خدمت و اعانت کے لیے جس کے سر پر شوہر کا سایہ نہ ہو دوڑ دھوپ کریں۔ جس کی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ خود محنت کر کے کمائیں اور ان پر خرچ کریں اور یہ بھی ہوسکتی ہے کہ خود محنت کر کے کمائیں اور ان پر خرچ کریں اور یہ بھی ہوسکتی ہے کہ دوسرے لوگوں کو ان کی خبر گیری اور اعانت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کریں۔ بلاشبہ! وہ بندے بڑے محروم ہیں، جو اس حدیث کے علم میں آجانے کے بعد بھی اس سعادت سے محروم رہیں۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَا وَ كَافِلُ الْیَتِیْمِ لَهٗ اَوْ لِغَیْرِهٖ فِی الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَ اَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَ الْوُسْطٰی وَ فَرَّجَ بَیْنَهُمَا شَیْئًا (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "میں اور اپنے یا پرائے یتیم کی کفالت کرنے والا آدمی جنت میں اس طرح (قریب قریب) ہوں گے اور آپ نے اپنی انگشتِ شہادت اور بیچ والی انگلی سے اشارہ کر کے بتلایا اور ان کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی۔

تشریح... مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کلمہ والی انگلی اور اس کے برابر کی بیچ والی انگلی اس طرح اٹھا کر ان کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا، بتلایا کہ جتنا تھوڑا سا فاصلہ اور فرق تم میری ان دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہو، بس اُتنا ہی فاصلہ اور فرق جنت میں میرے اور اس 'مردِ مومن کے مقام میں ہوگا، جو اللہ کے لیے اس دنیا میں کسی یتیم کی کفالت اور پرورش کا بوجھ اٹھائے خواہ وہ یتیم اس کا اپنا ہو (جیسے پوتا یا بھتیجا وغیرہ) یا پرایا ہو یعنی جس کے ساتھ رشتہ داری وغیرہ کا کوئی خاص تعلق نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ان کی حقیقتوں پر یقین نصیب فرمائے اور وہ سعادت میسر فرمائے، جس کی رسول اللہ ﷺ نے ان ارشادات میں ترغیب دی ہے۔

کامیابی و نجات کا راستہ

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

جامع کمال شخصیت: اللہ تعالی نے اپنے حبیب ﷺ کو جامع کمال شخصیت بنا کر انسانیت کے لیے بھیجا تھا' آپ شوہر بھی تھے' باپ بھی تھے' بھائی بھی تھے' دوست بھی تھے' تاجر بھی تھے' معلّم بھی تھے' مربی بھی تھے' قائد بھی تھے' مُصلح بھی تھے۔ آپ کی زندگی کے سارے پہلو انتہائی خوب صورت ہیں اور مشعل راہ ہیں' سچی بات یہ ہے کہ کامیابی کا واحد راستہ اور نجات کی واحد شکل محمد رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی کی اتباع ہے۔ کوئی انسان اچھا شوہر' اچھا باپ' اچھا پڑوسی' بلکہ اچھا انسان نہیں ہو سکتا' جب تک کہ محمد رسول اللہ کی زندگی اس میں نہ ہو۔ اس لیے کہ دنیا میں زندگی کے جتنے طور طریقے ہیں' وہ سب خود ساختہ ہیں۔ انسانی نظام کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے ہیں' لیکن اللہ کے حبیب ﷺ کی زندگی اللہ کی بتلائی ہوئی ہے۔ اللہ کے ضابطوں کی آئینہ دار ہے۔ انسانیت کے لیے اس سے خوب صورت طرزِ زندگی نہیں ہو سکتی۔

مشکلات اور پریشانیاں کیوں؟ انسانی زندگی کی سہولت کی شکلیں' راحت و آرام کی شکلیں' تحفظ اور سکون کی شکلیں' جتنی اس جدید دنیا نے انسانیت کو دی ہیں' کبھی اس کا تصور ہی نہیں تھا۔ لیکن جتنی بد امنی' جتنی بے سکونی اور جتنی پریشانی بے چینی اور جتنی مشکلات آج ہیں' شاید انسان نے پہلے اس کا بھی تصور نہیں کیا تھا۔ اس لیے کہ انسانی مشکلات کا حل محض مادی اسباب کی کثرت نہیں ہے بلکہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہے۔ آج ہر شخص اپنے گھر کے مسائل سے اور پریشانیوں سے تنگ ہے' لیکن اس کا حل اس کے گھر میں موجود ہے مگر اسے توجّہ نہیں ہے کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کا امتی ہے۔ آپ علیہ الصلوۃ و السلام نے ان مسائل کا حل کیا نکالا ہے۔ تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی یہ زندگی ہے' سنتے جائیے' پڑھتے جائیے تو آپ کو نظر آتا چلا جائے گا کہ یہ دنیا میں جنت کی زندگی تھی۔ اس لیے اللہ رب العزت نے انسانی فلاح اور نجات کے لیے آپ کی زندگی کو نمونہ بنایا ہے۔ پھر یہ خیال آتا ہے کہ آپ ﷺ تو نبی تھے اور ہم تو امتی ہیں تو آپ ﷺ کی زندگی کیسے اپنائی جا سکتی ہے...! تو بھئی بات یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو میری اور آپ کی زندگی کا سلیقہ' طریقہ اور نجات کا راستہ بتانے کے لیے ہی تو بھیجا ہے۔

حیات طیبہ کے مختلف پہلو: آپ کی زندگی کا ایک پہلو ذاتی یعنی انفرادی ہے' آپ ﷺ نے عبادت کیسے کی؟ آپ میں شفقت کیسی تھی؟ آپ میں خیر خواہی کیسی تھی؟ آپ نے اللہ کی طرف رجوع کیسے کیا؟ آپ سوئے کیسے؟ اٹھے کیسے؟ پہنا کیسا؟ کھایا کیسا؟ اور ایک زندگی کا پہلو اجتماعیت کہ آپ نے دوسروں

کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ اور اس اجتماعی زندگی میں سب سے پہلا جو حصہ آتا ہے وہ گھر کی زندگی کا آتا ہے۔ گھر کی زندگی اور اس کا دائرۂ کار آتا ہے۔ پھر اس دائرے میں مختلف پہلو ہیں کہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ بطورِ شوہر' بحیثیتِ باپ' بحیثیتِ پڑوسی کیسی تھی۔

اخلاق کی معراج: اماں عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ اماں جان! آپ ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ آپ کی زندگی کیسی تھی؟ فرمایا: "قرآن دیکھ لو میرے نبی ﷺ کی زندگی سمجھ میں آجائے گی۔" اس لیے کہ آپ وہیں ناراض ہوتے' جہاں اللہ کے ناراض ہونے کا حکم ہوتا اور وہاں خوش اور راضی رہتے' جہاں اللہ کے خوش اور راضی رہنے کا حکم ہے۔ آپ ﷺ وہ کرتے جو اللہ کی چاہت تھی اور اس سے رک جاتے جس سے اللہ کی ناراضی ہوتی تھی تو یہی سارا قرآن ہے اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ

"آپ بلند اخلاق پر فائز تھے۔"

شوہر کی زندگی جتنا بیوی جانتی ہے اور کوئی نہیں جانتا' اس لیے کہ میاں بیوی کی زندگی کا اسلام نے جو تصور دیا ہے "هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لِبَاسٌ لَّهُنَّ" جسم اور لباس کے درمیان اور کوئی چیز حائل نہیں ہوتی۔ ان کی آپس کی زندگی اتنی قریب ہے' لباس اور جسم۔ خلوت' تنہائی' تاریکی اور زندگی کی مختلف کیفیات' غصہ' رضا' ناراضی' گرمی' سردی' صحت' بیماری' مصروفیت' فرصت یہ سب بیوی کے سامنے ہوتی ہیں۔

بیویوں سے اظہار محبت: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کبھی آپ ﷺ ناز اور محبت میں کہا کرتے تھے: یا عاشہ! اور کبھی کہا کرتے تھے یا حمیرا۔ اللہ کے نبی ﷺ گھر میں جاتے سلام کرتے اور ایسا اُنس دیتے' ایسی محبت دیتے۔ روایت میں آتا ہے کہ "حضور اقدس ﷺ نے وضو کیا نماز میں جا رہے ہیں لیکن اپنی بیوی سے محبت کا اظہار بھی کر رہے ہیں"۔ اتنی دل جوئی اتنا تعلق تو آج ہمارے معاشرے میں الٹ ہو گیا۔ بیوی کو چھوڑیں گے' سالی سے بڑے فری ہوں گے' بیوی کو سلام نہیں کریں گے' کزن سے بڑے فری ہوں گے۔ جن سے فری ہونا ہے' جن سے مزاح کرنا ہے اور جن سے دل جوئی کرنا ہے' وہاں اکتاہٹ ہے اور جہاں دل جوئی اور اس قسم کی گفتگو حرام ہے وہاں کر رہا ہے۔ اس لیے تو گھر اجڑ رہے ہیں۔ اس لیے تو ہنستے بستے گھروں میں محبتوں کے پھول مرجھا گئے ہیں' کیوں میرے نبی ﷺ کی زندگی ہمارے گھروں میں نہیں رہی' بلکہ بہت سارے گھر انے ایسے ہیں کہ گھر میں سلام کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور جہاں شرم کی بات ہے' وہاں نہیں شرماتے۔ جہاں سلام نہیں کرنا وہاں سلام کر رہا ہے' جہاں شرم کی بات ہے اور جہاں سلام کرنا ہے وہاں شرماتا ہے کہ بیوی کو سلام...؟

حضرت عائشہؓ کیا فرماتی ہیں: میں ماہواری (ایام) میں ہوتی تھی (ماہواری کے دنوں میں یہودیوں کے یہاں یہ ہوتا تھا کہ عورت کو بالکل ایسا چھوڑ دو جیسے کوئی تعلق ہی نہیں) لیکن اسلام ایسا نہیں۔ آپ ﷺ ان دنوں کے اندر بھی بیوی کی دل جوئی کے لیے فرماتے: "جہاں تم نے پانی پیا ہے وہیں سے میں پانی پیوں گا۔ تم لقمہ چباؤ میں چبایا ہوا لقمہ کھاؤں گا" تاکہ انھیں محسوس نہ ہو۔

محبت کا خانہ: ایک عورت ہے جو اپنی اماں کا گھر چھوڑ کر آتی ہے' اپنے باپ کا گھر چھوڑ کے آتی ہے' اپنا گھر چھوڑ کے آتے ہی اگر اسے شوہر کے گھر میں محبت نہ ملے تو کیا ہو گا۔ یہ ہو گا کہ اس کی محبت کا خانہ خالی ہو گا۔ کسی نے محبت کا میسج کر دیا۔ کسی نے محبت بھرے انداز میں استقبال کر لیا' یہ عورت فتنے میں پڑ جائے گی' اس لیے کہ جہاں اسے محبت ملنی تھی وہ نہیں ملی اور وہ خانہ خالی ہے اور اب تو رکاوٹ بھی کوئی نہیں۔ جدید ذرائع ابلاغ نے ساری رکاوٹیں ختم کر دی کہ گھر کی دیوار ہے گھر کا کمرہ ہے' دروازہ ہے' اندر ہے' اب تو بے دین جب چاہے آپ کے گھر میں پہنچ سکتا ہے اور اگر اس نے کوئی ایسا رویّہ اختیار کر لیا کہ آپ کے گھر میں وہ خانہ خالی ہے' اسے وہ محبت نہیں مل رہی جہاں ملنی چاہیے تو وہ فتنے میں پڑ جائے گی۔ اسے وہ میٹھے بول نہیں ملے' وہ محبت بھرا انداز نہیں ملا' جو اس کی ضرورت تھی۔

زندگی جنت بن جائے: قسم خدا کی میرے نبی ﷺ کی گھریلو زندگی کا یہ پہلو میرے گھر میں آجائے تو زندگی جنت بن جائے۔ میرے معاشرے میں آجائے تو زندگی کا لطف آجائے۔ انسانیت آج کیوں جیتے جی بھی مر رہی ہے؟ اس لیے کہ آج کی انسانیت میرے نبی کی زندگی کی روح سے خالی ہو گئی اور جسم سے جب روح نکل جائے تو زندگی سڑ جایا کرتی ہے' جسم بکھر جایا کرتا ہے۔ جب جسم کے اندر سے روح نکل جائے تو جسم سڑ جایا کرتا ہے' بکھر جایا کرتا ہے' آج سوسائٹی اور امت اور انسانیت سے محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی روح نکلی ہے' سڑ رہی ہے' بکھری ہوئی ہے' انتشار ہے جس سے ملو ایسا لگتا ہے موذی بن کے بیٹھا ہوا ہے۔ تکلیف دینے کے لیے ہی بیٹھا ہے۔ کھانے کو دوڑ رہا ہے۔ وہ زندگی نہیں ہے۔ آج دنیا نے انسانیت کو بہت کچھ دے رکھا ہے۔ میں نے عرض کیا اس کا تصور بھی نہیں تھا' لیکن بدقسمتی ہے۔ آج کی نئی دنیا محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے انسانیت کو دور کرنے کے لیے اپنے سارے وسائل بھی خرچ کر رہی ہے۔ کہیں مسلمان پہلی زندگی میں نہ آجائے' حالاں کہ انسانیت کی فلاح کا' نجات کا' کامیابی کا' ترقی کا' سکون کا' راحت کا' محبت کا راستہ محمد رسول اللہ کی زندگی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ امام شافعیؒ نے انھیں لکھا: ”بہت عرصہ ہوگیا ملاقات ہوئے۔ امام احمدؒ نے لکھا کہ میں حاضر ہو رہا ہوں اور مقررہ تاریخ پر آ پہنچے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بچیاں کودتی پھرتی تھیں کہ آج وقت کے امام ہمارے ہاں مہمان ہیں۔ ایک عجیب خوشی تھی۔ جب کھانے کے لیے دستر خوان بچھا تو حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے اس طرح کھایا جیسے کوئی بہت حریص اور سات وقت کا بھوکا کھاتا ہے۔ امام شافعی کھانے کے بعد گھر پہنچے تو ان کی بچیاں کہنے لگیں: آپ تو کہتے تھے کہ یہ حضرت امامِ وقت ہیں۔ یہ کیسا امامِ وقت ہے جو عوام کی طرح پیٹ بھر کے کھانا کھاتا ہے۔

امام شافعی نے فرمایا: ”محسوس میں نے بھی کیا، مگر میزبان ہوں نا، اگر یوں کہتا کہ تم زیادہ کیوں کھاتے ہو تو لگتا شاید میں اپنا کھانا بچانا چاہتا ہوں۔

مہمان نماز عشاء کے لیے گئے تو امام شافعی رحمہ اللہ کی بچیوں نے بستر بچھایا اور پانی کا لوٹا بھر رکھا تا کہ مہمان امام جب تہجد کے لیے اٹھیں تو انھیں دشواری نہ ہو۔ جب امام احمد رحمہ اللہ فجر کے لیے گئے تو بچیاں بستر اٹھانے آئیں۔ دیکھا کہ لوٹا اسی طرح بھرا ہے۔ اب تو ان کے غصے کی کوئی حد نہ رہی کہ یہ کیسا امام ہے؟ کہ پیٹ بھر کے یہ کھانا کھائے، رات وضو کرے، نہ تہجد پڑھے۔ یوں ہی شہرت ہوگئی کہ اپنے وقت کا بڑا امام ہے۔

بچیوں نے اپنے ابا کا دامن پکڑ لیا کہ آپ نے ہمیں غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا ہے کہ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ متقیوں کے سردار ہیں۔ یہ کیسا امام ہے؟ ناک تک کھاتا ہے اور تہجد پڑھتا نہیں۔ اب حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی رہا نہ گیا اور باہر آکر حضرت امام احمد سے کہا: ”اے احمد بن حنبل! یہ تغیر تم میں کب سے پیدا ہوا؟ مجھے تو اس کی توقع نہیں تھی، پیٹ بھر کر تم کھانا کھاتے ہو، تہجد کی تمھیں توفیق نہیں ہوئی، رات کو تم نہ اٹھے، وضو تم نے نہ کیا، آخر یہ تغیر تمہارے اندر کیسے پیدا ہوا؟“

امام احمد مسکرائے اور عرض کیا: ”حضرت! واقعہ یہ ہے کہ مجھے آج عشاء کے وضو سے تہجد اور صبح کی نماز کی نوبت آئی اور جب دستر خوان پر کھانا چنا گیا تو میں نے دیکھا، اس کھانے کے اوپر آسمانوں سے انوار و برکات کی اتنی بارش تھی کہ مکان منور تھا اور کھانے پر نظر ڈال کر قلب میں ذکر اللہ کی کیفیت پیدا ہوتی تھی، اتنی حلال اور پاک کمائی میں نے آج تک نہیں دیکھی تھی تو میں نے یہ ارادہ کیا: جتنا کھا سکوں تو کھالوں، چاہے بعد میں مجھے سات دن تک فاقہ کرنا پڑے پھر یہ نورانی کھانا مجھے کہاں نصیب ہو گا، اس واسطے میں نے زیادہ کھایا۔“ اور عرض کیا: ”اس کھانے کی دو برکتیں نمایاں ہوئیں۔ ایک علمی برکت اور ایک عملی برکت۔ عملی برکت تو یہ ہوئی کہ عشاء کے وضو سے میں نے صبح کی نماز ادا کی اور تہجد پڑھی۔ مجھے وضو کی ضرورت پیش نہیں آئی اور علمی برکت یہ ہوئی کہ چارپائی پر لیٹ کر قرآن کریم کی ایک آیت سے آج میں نے فقہ کے سو مسائل نکالے جو آج تک مجھے سمجھ نہیں آئے تھے۔ علم کے دروازے میرے قلب کے اوپر کھل گئے اور سو مسئلے ایک ہی آیت سے میں نے استنباط کیے، یہ علم کی برکت ہوئی۔“

تب حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی داڑھی کا بال بال خوشی سے کھل گیا اور بچیوں سے کہا: ”دیکھا ہم نہیں کہتے تھے کہ یہ امامِ وقت ہے۔“ تب بچیوں کو تسلی ہوئی۔

تو حلال کی کمائی کا اثر یہ ہے کہ معرفت بڑھتی ہے، علمِ الٰہی کی برکت پیدا ہوتی ہے اور عمل کی توفیق ہوتی ہے۔ آج ہمارے میں عمل کی کوتاہی اس وجہ سے نہیں کہ آج ہمیں مسائل کا علم نہیں۔ ہر شخص جانتا ہے۔ علم کے وسائل اتنے عام ہو گئے ہیں کہ پہلے زمانے میں نہیں تھے کتابیں چھپی ہوئیں الگ، رسالے الگ، اخبار الگ، پیپر الگ اور ہر چیز میں شریعت پر ہی مشق کی جا رہی ہے، سب مسائل ہی کو موضوعِ بحث بنا رہے ہیں تو اختلافی مسائل ان کے علم میں نہ ہوں، مگر اس کے باوجود کہ زبان، علم کے بارے میں کافی چلتی ہے، ہاتھ پیر عمل کے لیے نہیں چلتے۔

ربیع الاوّل کا پیغام

صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ سے عشق دیکھنا ہے توصدیقِ اکبرؓ کو دیکھیے جو مشرکینِ مکہ سے شدید مار کھانے کے بعد جب ہوش میں آتے ہیں تو نبی کریم ﷺ کو دیکھے بغیر اُن کو سکون نہیں ملتا۔ صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ سے عشق دیکھنا ہے توحضرت زید بن دثنہؓ کو دیکھیے، جنھیں کفارِ مکہ جب قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر تنعیم میں لے جاتے ہیں اور وہاں ابو سفیان قریش کے بڑے مجمع کے سامنے انھیں یہ پیش کش کرتے ہیں کہ میں تمھیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ کیا تم اس بات کو پسند کروگے کہ ہم تمہارے بدلے محمد ﷺ کو قتل کر دیں اور تم اپنے گھر آرام سے رہو۔ تو زید نے جواب دیا: اللہ کی قسم! مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ حضور اکرم ﷺ جہاں ہیں، وہیں اُن کے پاؤں میں کانٹا چبھے اور میں اپنے گھر آرام سے بیٹھا رہوں۔ صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ سے عشق دیکھنا ہے تو غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت مقدادؓ کا صحابہ کرام کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو دیا گیا جواب ملاحظہ فرمایئے کہ ”ہم حضرتِ موسیٰؑ کے ساتھیوں کی طرح نہیں ہیں، جنہوں نے موسیٰؑ سے کہہ دیا تھا کہ تم اور تمہارا خدا جا کر دشمنوں سے لڑیں اور ہم یہیں بیٹھے ہیں، بل کہ ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے لڑیں گے۔“ صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ سے عشق دیکھنا ہے توحضرت اُمّ حبیبہؓ کا عمل دیکھیے کہ انھوں نے اپنے والد اور قوم کے سردار ابوسفیان کو صرف کافر ہونے کی بنا پر نبی کریم ﷺ کے بستر پر بیٹھنے کی اجازت نہ دی۔ صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ سے عشق دیکھنا ہے توحضرت اماں عائشہ صدیقہؓ کا وہ جواب پڑھیے، کہ جب اُن سے پوچھا گیا: ”سنا ہے حضرت یوسفؑ بہت حسین تھے، انہیں دیکھ کر مصر کی عورتوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ آپؓ بھی اپنے محبوب ﷺ کی خوبصورتی کا کچھ حال سنائیں؟“ تو فرمایا: ”حضرت یوسف کو دیکھ کر عورتوں کے لیے انگلیاں کٹوانا آسان ہوگیا تھا، میرے محبوب کو دیکھ کر گردنیں کٹوانا آسان ہوگیا۔“ صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ سے عشق دیکھنا ہے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ طرزِ عمل دیکھیے کہ وہ سنت کی نیت سے سواری سے اتر کر اُن جگھوں پر کچھ دیر کے لیے بیٹھا کرتے تھے، جہاں نبی کریم ﷺ کبھی قضائے حاجت کے لیے سواری سے اُترے تھے، صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ سے عشق دیکھنا ہے تو نبی کریم ﷺ کے اس دُنیا سے پردہ فرمانے کے وقت حضرت عمرؓ کا فرطِ محبت میں تلوار لے کر کھڑے ہونا دیکھیے کہ ”جس نے یہ کہا کہ حضور اکرم ﷺ کا انتقال ہوگیا، میں اس کی گردن اُڑا دوں گا۔“ صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ سے عشق دیکھنا ہے توحضرت عبداللہؓ کا اپنے والد ابن اُبیّ کا راستہ روکے دیکھیے کہ جب تک نبی کریم ﷺ انھیں مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے، میں انھیں مدینہ میں قدم نہیں رکھنے دوں گا، کیوں کہ ان کے والد نے میدانِ اُحد میں نبی کریم ﷺ کی طرف اشارہ کر کے یہ کہہ دیا تھا کہ آج عزت والا ذلت والے کو مدینے سے نکال دے گا۔

صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ سے عشق دیکھنا ہے تو سو باتوں کی ایک بات، عروہ بن مسعود کے وہ الفاظ ملاحظہ فرمایئے کہ جب وہ صلح حُدیبیہ کے موقع پر کفار کے سفیر بن کر نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے تھے اور صحابہ کرامؓ کا عشق و محبت دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے اور واپس جا کر انھوں نے صحابہ کرام کی جاں نثاری کا یہ نقشہ کھینچا: لوگو! خدا کی قسم! میں دنیا کے بادشاہوں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی گیا ہوں، لیکن کسی بادشاہ کے درباری اس کی اس قدر تعظیم نہیں کرتے، جتنی محمد ﷺ کے ساتھی اُن کی تعظیم کرتے ہیں، خدا کی قسم! جب بھی وہ تھوکتے ہیں، اُن کا تھوک کسی کے ہاتھ پر پڑتا ہے، جو اس کو اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے، اگر وہ کوئی حکم دیں تو اس کی تعمیل کے لیے دوڑ پڑتے ہیں، اگر وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کا پانی لینے کے لیے ایسا لگتا ہے کہ وہ لڑ پڑیں گے، جب وہ بات کرتے ہیں تو سب اپنی آواز پست کر لیتے ہیں اور احترام کی وجہ سے انہیں نظر بھر نہیں دیکھتے۔

لیکن قارئین! سوال یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی یہ محبت کیا صرف اس وجہ سے تھی کہ اسلام کا تقاضہ تھا کہ نبی کریم ﷺ سے سب سے زیادہ محبت کی جائے؟ کیا صحابہ کرام صرف قرآن کے ان الفاظ سے کہ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ نبی کریم ﷺ کے فرماں بردار اور جاں نثار بن گئے تھے؟ کیا ص حابہ کرام کی جاں نثاری ایک اوّلین عمل ہے جو قرآن اور احادیث کی تعلیمات سے خود بخود ان کے دِلوں میں پیدا ہوگیا تھا یا یہ نتیجہ تھا نبی کریم ﷺ کے اُن اخلاق کا کہ جن کو اپنانے سے سوائے فریفتہ ہونے اور جاں نثار بننے کے کوئی چارہ نہیں بچتا۔

کیا ہم یہ بات سوچ سکتے ہیں کہ آخر ہر صحابی کو اس بات کا کیوں احساس ہوتا تھا کہ نبی کریم ﷺ شاید اُس سے ہی سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں، حتیٰ کہ ایک صحابی نے ہمت کر کے حضور اکرم ﷺ سے یہ پوچھ بھی لیا کہ آپ کس سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں، مگر پھر دوسرے تیسرے نمبر تک بھی اپنا نام نہ پا کر خاموش ہوگئے کہ کہیں میرا نام سب سے آخر میں ہی نہ آئے۔ کیا یہ نبی کریم ﷺ کے انتہائی درجے کے اخلاق ہی نہ تھے کہ آپ ﷺ دس سال تک ایک کھیلنے والے بچے کو نہ اس بات پر جھڑکا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اور نہ اس بات پر ناراضی کی کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ کیا اتنے عالی اخلاق دیکھ کر حضرت انسؓ کے لیے ممکن تھا کہ وہ آپ کے گرویدہ نہ ہوتے؟

قارئین! جہاں اپنے ساتھیوں کے مزاج کی اتنی رعایت ہو کہ نبی کریم ﷺ معراج کے سفر میں جنت میں عمرؓ کے محل میں صرف اس لیے داخل نہیں ہوئے کہ ”عمر کی غیرت اس بات کو گوارا نہیں کرے گی“ تو پھر ایسے جادوئی اخلاق کے نتیجے میں حضرت عمرؓ اُس شخص کی گردن کیوں نہ اُڑاتے، جس نے حضور اکرم ﷺ کا فیصلہ ماننے کے بجائے عمر سے فیصلہ کروانا چاہا۔ قارئین! میدانِ جنگ میں جب موت رقصاں تھیں اور نبی کریم ﷺ زخموں سے نڈھال تھے اور حضرت سعدؓ نبی کریم ﷺ کے دفاع میں تیر پر تیر چلا رہے تھے، ایسے میں آپ ﷺ کا یہ فرمان کیسا دِل موہ لینے والا ہے کہ اے سعد! تیر چلاؤ، میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔“ غزوہ اُحد کا ہی ایک اور منظر دیکھیے کہ جب آپ ﷺ ایک گڑھے میں گر جاتے ہیں اور آپ اوپر چڑھنا چاہ رہے ہیں، لیکن کم زوری کی وجہ سے چڑھ نہیں پا رہے۔ حضرت طلحہؓ آگے بڑھتے ہیں اور کمر سے آپ ﷺ کو سہارا دیا، پھر وہ نیچے بیٹھ گئے اور آپ ﷺ اُن کی کمر پر پاؤں رکھ کر باہر نکل آئے، لیکن اب حضور اکرم ﷺ کا اندازِ گفتگو اس زخمی اور انتہائی جنگ کی حالت میں ملاحظہ فرمایئے کہ: جو کوئی زمین پر زندہ شہید دیکھنا چاہتا ہے تو وہ طلحہ کو دیکھ لے۔“ یعنی شہادت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انھیں شہادت کا مرتبہ عطا فرما دیا، جہاں ایسی حوصلہ افزائی اور دِل جوئی ہو، وہاں لوگ آپ ﷺ کے شیدائی اور فدائی پھر کیوں نہ ہوں؟ ازواج مطہراتؓ کو حضور اکرم ﷺ سے محبت کیوں نہ ہوتی، جب کہ آپ ﷺ سفر میں حضرت صفیہؓ کو اونٹ پر بٹھانے کے لیے اپنا گھٹنا آگے کرتے ہیں اور وہ اس پر پاؤں رکھ کر اونٹ پر سوار ہو جاتی ہیں۔

قارئین! خدا کی قسم! صحابہ کی جاں نثاری یہ عمل نہیں، ”ردِ عمل“ تھا اُن جادوئی اخلاق کا جو حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ والا میں تھے اور کفارِ مکہ کو شاید ٹھیک ہی دھوکا لگا تھا کہ یہ بندہ ﷺ جادو کرتا ہے۔ آج محبتوں سے خالی دُنیا میں ہم صحابہ کرام کی جاں نثاری کے تذکرے تو ضرور کرتے ہیں، لیکن اس جانِ جاناں ﷺ کے جادوئی اخلاق کو بھول جاتے ہیں جس نے پوری دُنیا کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔

کاش! ہم سیرت کا پیغام سمجھ سکیں! کاش! ہم ربیع الاول کا پیغام سمجھ سکیں!

ولادتِ نبی ﷺ

سو رہی تھی زندگانی خواب کے آغوش میں — آرزوئیں دم بخود تھیں حسرتِ خاموش میں
آنکھ تھی لیکن ابھی تک اشک سے محروم تھی — کامیابی کی تمنا رشک سے محروم تھی
روح نے اب تک دعاؤں کے مزے پائے نہ تھے — خامشی نے التجاؤں کے مزے پائے نہ تھے
یَک بہ یَک امید کے گھر میں خوشی پیدا ہوئی — زندگی کے واسطے اِک زندگی پیدا ہوئی
روئے فطرت پر محبت کی ضیا پیدا ہوئی — حسن کی آنکھیں جھکیں، اُن میں حیا پیدا ہوئی
ناگہانی ساکن ہواؤں میں روانی آگئی — اور چمن کے پتے پتے پر جوانی آگئی
سینۂ غنچہ میں اِک میٹھی کسک پیدا ہوئی — گل میں خوشبو اور شاخوں میں لچک پیدا ہوئی
آج زانوئے ازل پر صبح نے انگڑائی لی — مسکرا کر اِک کرن نے ہاتھ میں شہنائی لی
کعبۂ توحید پر رکھ کر جبیں سات آسماں — جھک گئے تعظیم کو پیشِ زمیں سات آسماں
غل ہوا دنیا میں ختم المرسلین ﷺ پیدا ہوا — مخزنِ اسرارِ قدرت کا امیں پیدا ہوا
فرش پر روح الامیں آنے لگے جانے لگے — طائرانِ قدس نغمے نعت کے گانے لگے
پر فرشتوں کے کھلے انوار لہرانے لگے — نور کے بادل زمیں پر پھول برسانے لگے
تھی یہ صبح زندگی آغازِ آمدِ نبی ﷺ — تھی یہ صبح زندگی آغازِ آمدِ نبی ﷺ

حُلیہ مبارک ﷺ

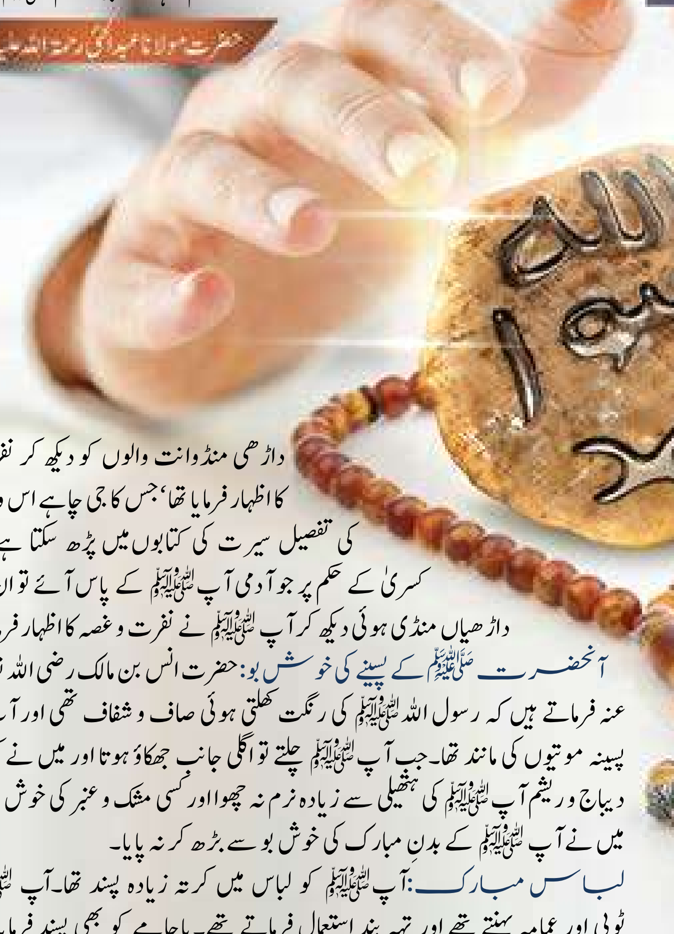

چہرۂ انور: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک میں قدرے گولائی تھی‘ رنگت سرخ و سفید تھی‘ آنکھیں سیاہ تھیں اور پلکیں لمبی تھیں‘ کندھے چوڑے تھے۔

بال مبارک: آپ ﷺ کے بال نہ بالکل سیدھے تھے‘ نہ بہت پیچیدہ تھے‘ بل کہ بالوں میں ہلکا سا خم تھا۔ یہ بالوں کی انتہائی خوب صورتی کی علامت ہے۔ آپ ﷺ کے بال کانوں کی لَو تک تھے۔

داڑھی مبارک: سرکارِ دو عالم ﷺ کی داڑھی مبارک خوب گھنی تھی۔ آخر عمر میں آپ ﷺ کی ٹھوڑی مبارک کے چند بال سفید ہوگئے تھے۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی داڑھی مبارک میں تقریباً 20 بال سفید تھے۔ (اللہ تعالیٰ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے‘ جنھوں نے قیامت تک کے آنے والے انسانوں کے لیے خاتم النّبیّین ﷺ کی ہر بات کو محفوظ کر دیا‘ یہاں تک کہ سفید بالوں کی تعداد تک گن کر امت کے لیے نقل فرمائی۔)

ہاتھ‘ پاؤں اور سینہ مبارک: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نہ زیادہ لانبے تھے‘ نہ پستہ قد (یعنی قد مبارک درمیانہ تھا) آپ ﷺ کی ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں گوشت سے پُر تھے۔ (یہ صفات مردوں میں قوت و شجاعت کی علامت ہیں)
آپ ﷺ کا سر مبارک بھی بڑا تھا اور جسم کے جوڑوں کی ہڈیاں بھی چوڑی تھیں (یہ بھی قوت کی علامت ہے) سینہ مبارک سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔ آپ ﷺ کی چال ایسی تھی کہ گویا اونچائی سے اتر رہے ہیں۔ (یعنی تیز چلتے تھے) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بیان فرمانے کے بعد فرمایا: ”میں نے آپ ﷺ جیسا حسین نہ آپ ﷺ سے پہلے کبھی دیکھا نہ آپ ﷺ کے بعد۔“

ہاتھوں کی نرمی: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ کی ہتھیلی اس قدر نرم تھی کہ اس سے زیادہ نرم کوئی ریشم و دیباج بھی میں نے کبھی نہ چھوا۔

دندانِ مبارک: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اگلے دانت بالکل ملے ہوئے نہ تھے‘ بل کہ ان میں کچھ فصل تھا‘ جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو ایک نور سا ظاہر ہوتا‘ جو سامنے کے دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا۔

مسکراہٹ: حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہنستے نہ تھے‘ بل کہ صرف مسکراتے تھے‘ جب میں آپ ﷺ کی طرف دیکھتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ نے آنکھوں میں سرمہ لگایا ہوا ہے‘ حالاں کہ ایسا نہ ہوتا تھا (بل کہ یہ آنکھوں کا قدرتی حسن تھا۔)

کاندھوں کے درمیان مُہرِ نبوت: حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت دیکھی‘ جو سرخ تھی اور کبوتر کے انڈے کے برابر تھی۔

مونچھیں تراشنا: رسول اللہ ﷺ داڑھی کو نہ تراشتے تھے۔ داڑھی مبارک گھنی تھی۔ مونچھوں کو ترشوا دیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو داڑھی بڑھانے اور مونچھیں ترشوانے کا حکم دیا ہے اور اس کو تمام انبیا کی سنت فرمایا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مونچھیں کتروادیا کرو اور داڑھی بڑھاؤ۔“

تنبیہ: دورِ حاضر کے مسلمانوں میں داڑھی مونڈانے کا رواج عام ہو گیا ہے۔ یوں تو عشقِ رسول ﷺ کے بلند بانگ دعوے کیے جاتے ہیں‘ لیکن آقا ﷺ کی صورتِ مبارکہ پسند نہیں والعیاذ باللہ‘ جب کہ معلوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے داڑھی منڈوانت والوں کو دیکھ کر نفرت کا اظہار فرمایا تھا‘ جس کا جی چاہے اس واقعہ کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں پڑھ سکتا ہے کہ کسریٰ کے حکم پر جو آدمی آپ ﷺ کے پاس آئے تو ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی دیکھ کر آپ ﷺ نے نفرت و غصہ کا اظہار فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کے پسینے کی خوش بو: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رنگت کھلتی ہوئی صاف و شفاف تھی اور آپ کا پسینہ موتیوں کی مانند تھا۔ جب آپ ﷺ چلتے تو اگلی جانب جھکاؤ ہوتا اور میں نے کوئی دیباج و ریشم آپ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہ چھوا اور کسی مشک و عنبر کی خوش بو کو میں نے آپ ﷺ کے بدنِ مبارک کی خوش بو سے بڑھ کر نہ پایا۔

لباس مبارک: آپ ﷺ کو لباس میں کرتہ زیادہ پسند تھا۔ آپ ﷺ ٹوپی اور عمامہ پہنتے تھے اور تہہ بند استعمال فرماتے تھے۔ پاجامے کو بھی پسند فرمایا اور اس کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس میں ستر (یعنی پردہ پوشی) کا زیادہ اہتمام ہے۔ آپ ﷺ کا لباس عام طور پر سادہ اور سوتی ہوتا تھا۔ کبھی کبھی دوسرے ملکوں کے بنے ہوئے قیمتی جُبّے بھی زیب تن فرما لیتے تھے۔

حوالہ جات: صحیح بخاری‘ مسلم‘ مشکوٰۃ‘ ابو داوٗد‘ ترمذی‘ شمائل‘ ابنِ ماجہ۔

زندگی میں اگر کامیابی کو اپنا مقدر بنانا ہے تو اپنے آپ کو ایسی طرز پر ڈھالنا ضروری ہے، جس کا تعلق ہمارے دینِ اسلام سے ہو اور اپنے اندر اعلیٰ صفات اور خوبیوں کو پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنا راہ نما صرف اور صرف نبی کریم ﷺ کو بنائیں۔ آپ ﷺ کی پیروی و تقلید، آپ کی زندگی اور سیرت سے متعلق ہر ہر گوشہ ہماری راہ نمائی اور کامیابی کا ضامن ہے۔ قرآن کریم کا دعویٰ ہے: ''رسول اللہ ﷺ کی زندگی تمام دنیا کے انسانوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔'' (الاحزاب)

اللہ رب العزت نے جہاں آپ ﷺ کو تمام انسانیت سے افضل اور اعلیٰ مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے، وہاں آپ کو بہت سی ایسی خوبیاں اور خصوصیات بھی عطا فرمائی ہیں، جو تمام انبیا اور کل کائنات سے آپ ﷺ کو ممتاز کرتی ہیں۔ دینِ اسلام کی جن تعلیمات کو آپ ﷺ نے امت تک پہنچایا، وہ دیگر ادیان کے مقابلے میں بہتر اور برتر ہے ہی، اس کے علاوہ خود آپ ﷺ کی شخصیت بھی انتہائی جاذبِ توجہ تھی، چناں چہ اس مضمون میں حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے متعلق اخلاق و شمائل کو بیان کیا جا رہا ہے، جس کا علم نوجوان نسل اور طالبِ علموں کو بخوبی ہونا چاہیے، تاکہ وہ اپنے اخلاق و عادات میں رسولِ اکرم ﷺ کی جھلک پیدا کریں اور علم و عمل کی دنیا میں نمایاں کوششیں کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو لباسِ جمال پہنایا تھا اور آپ ﷺ کو اپنی محبت اور ہیبت کا لباس عطا کیا تھا۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''آپ میانہ قد کے تھے۔ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو سرخ رنگ کے دھاری دھار لباس میں دیکھا۔ مجھے آپ اتنے حسین نظر آئے کہ میں نے آپ ﷺ سے زیادہ کوئی خوب صورت شے نہ دیکھی۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''آپ میانہ قد، مگر لمبائی کے زیادہ قریب تھے۔ آپ ﷺ کی رنگت انتہائی سفید، داڑھی گھنی اور سیاہ تھی۔ پلکوں کے بال لمبے، دونوں کندھوں کے مابین فاصلہ تھا۔'' یہاں تک کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ جیسا شخص نہ آپ سے قبل دیکھا اور نہ آپ کے بعد۔''

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے کسی دیباج اور ریشم کو نبی کریم ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہیں پایا اور میں نے آپ ﷺ کی خوش بو سے زیادہ عمدہ کوئی خوش بو نہیں سونگھی۔''

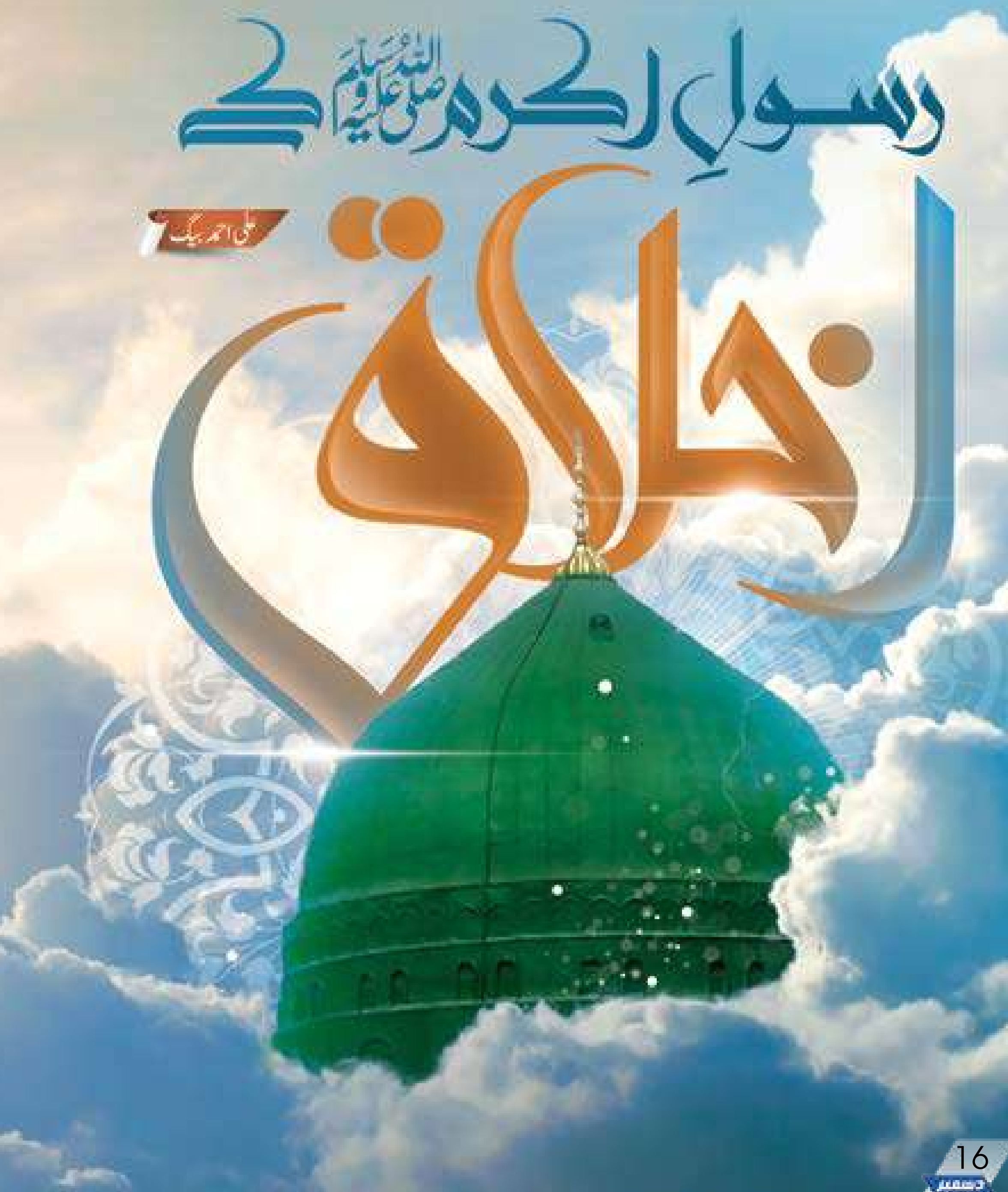

رسولِ اکرم ﷺ کے اخلاق

علی احمد بیگ

نبی ﷺ کے لباس مبارک پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پوشاک پر عام طور پر چار کپڑے ہوا کرتے تھے۔ تہبند، کرتہ، چادر اور عمامہ۔ کپڑے سفید اور عمامہ سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ آپ ﷺ سفید لباس کو پسند فرماتے تھے۔ رنگوں میں سبز رنگ پسند تھا۔ پاجامہ زیب تن اگرچہ نہیں فرمایا، تاہم اسے دیکھا تو پسند فرمایا۔ عمامے کے نیچے ٹوپی استعمال فرماتے تھے، جو گول اور موٹے کپڑے کی ہوتی تھی اور سر کی جلد سے ملی رہتی تھی۔ کبھی کرتے کے اوپر عبا بھی استعمال فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے قیمتی لباس بھی استعمال فرمایا، مگر ریشم کا بنا ہوا کپڑا کبھی نہیں پہنا۔ باریک کپڑے کو ناپسند فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے لباس مبارک میں پیوند اگرچہ بسا اوقات لگا ہوا ہوتا تھا، مگر لباس اجلا ہوتا تھا۔ میلہ لباس آپ کو اچھا نہیں لگتا تھا، جب کسی کو میلے لباس میں دیکھتے تو اسے صاف ستھرے کپڑے پہننے کی تاکید کرتے تھے۔

داڑھی اور سر کے بال کبھی منتشر نہ رکھتے، بل کہ انھیں کنگھا فرماتے تھے۔ منہ اور دانتوں کی صفائی کا ہر آن خیال رہتا تھا، چناں چہ مسواک کا بہت اہتمام کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کے استعمال کا حکم دیتے تھے۔

کھانے پینے کے معاملے میں رسولِ اکرم ﷺ ہمیشہ صبر و قناعت سے کام لیتے تھے، جو کچھ سامنے آ جاتا تو آپ ﷺ اسی پر اکتفا فرما لیا کرتے تھے۔ کھانے کی کسی چیز کو آپ نے کبھی برا نہیں کہا۔ آپ ﷺ ہمیشہ دستر خوان پہ کھانا تناول فرماتے تھے۔ کھانے سے پہلے ہاتھ دھوتے اور جو لوگ اس وقت موجود ہوتے، ان سب کو شریک بعام فرمایا کرتے تھے۔ لقمہ چھوٹا لیتے تھے اور بہت آہستہ آہستہ چبایا کرتے تھے۔ اکثر تین انگلیاں استعمال فرمایا کرتے تھے اور کھانے کے بعد انگلیوں میں لگی ہوئی غذا کو چاٹ لیا کرتے تھے۔ پانی بیٹھ کر تین سانس میں پیتے تھے۔ آپ ﷺ نے کبھی کھڑے کھڑے کوئی چیز نہیں کھائی۔ آپ ﷺ کو سِرکہ، روغنِ زیتون، شہد، کدّو، گوشت، تربوز، ککڑی، کھجور، جو کی روٹی، ثرید (یعنی شوربے میں بھیگی ہوئی روٹی)، جو کا دلیہ نہایت مرغوب تھا۔ کھانے میں کچی پیاز اور لہسن کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ دودھ اور شہد سے تیار کیے ہوئے حریرہ کی تعریف فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ یہ غذا بیمار کو راحت پہنچاتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سب سے بڑھ کر دل کے کشادہ تھے۔ بات کے سچے تھے۔ طبیعت کے نرم تھے۔ معاشرت میں نہایت کریم تھے۔ ہر مواقع پر تحمل اور درگزر سے کام لیتے، جو شخص آپ ﷺ سے بدسلوکی کرتا تھا، آپ ﷺ اس سے نیک سلوک کرتے تھے، جو شخص آپ کو نہ دیتا، آپ ﷺ اس کو دیتے، جو شخص آپ ﷺ پر ظلم کرتا، آپ ﷺ اس سے درگذر فرماتے۔ دنیا میں مسافر کی طرح رہتے تھے۔ دنیوی عیش و آرام سے تعلق نہ تھا، جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں کہیں سے کوئی صدقہ وغیرہ کی رقم آتی تو جب تک آپ ﷺ اس کو غریبوں اور مستحقین میں تقسیم نہ فرما دیتے، گھر کے اندر تشریف نہ لاتے۔ اسی طرح جب کوئی غریب آتا یا کوئی باندی یا بڑھیا آپ ﷺ سے بات کرنا چاہتی تو سڑک کے ایک کنارے پر سننے کے لیے کھڑے ہو جاتے یا بیٹھ جاتے، اگر کوئی بیمار ہوتا تو اس کی عیادت فرماتے۔ کسی کا جنازہ ہوتا تو اس میں شریک ہو جاتے۔ جب کسی کا نام معلوم نہ ہوتا اور اس کو بلانا ہوتا تو ''یا عبد اللہ'' کہہ کر بلاتے۔

رسولِ اکرم ﷺ کا زیادہ تر وقت عبادتِ الٰہی یا یادِ الٰہی میں صَرف ہوتا تھا۔ نماز سب سے زیادہ محبوب عادت تھی۔ ہر نماز تازہ وضو سے ادا فرمایا کرتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایک ہی وضو سے کئی نمازیں ادا فرمایا کرتے تھے۔ فرض نماز مسجد میں ادا فرماتے تھے اور سنت و نفل گھر میں ادا فرماتے تھے اور اسی طریقے کو پسند فرماتے تھے۔ نماز میں قراءت متوسط آواز کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر فرمایا کرتے تھے۔ فجر کی نماز میں ذرا طویل قرأت فرماتے تھے۔ ظہر اور عصر کے فرضوں میں آپ ﷺ لمبی سورتیں نہیں پڑھتے تھے۔ مغرب کی نماز میں سورۂ مراسلات اور سورۂ طور پڑھا کرتے تھے۔ کبھی سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص بھی پڑھتے تھے۔ عشاء کی نماز میں آپ ﷺ کو سورۂ والتّین پڑھتے ہوئے سنا گیا۔ عشاء کے نماز کی بعد آرام فرماتے تھے۔ رات کے دو حصے گذر جانے کے بعد جاگ جاتے تھے اور تہجد کی نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ کبھی تمام رات عبادت میں گذر جاتی تھی۔ کبھی اتنا طویل قیام فرماتے تھے کہ پیروں میں وَرم ہو جایا کرتے تھے۔

اپنے صحابہ کرام کے ساتھ نبی ﷺ کا حسنِ سلوک اور اخلاق بہت زیادہ تھا۔ آپ ﷺ کی طبیعت کی نفاست، شستگی اور برتاؤ ان کی ہر چھوٹی بڑی بات میں نمایاں ہو جاتی تھی۔ احیاء العلوم میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ ''حضور ﷺ ایک بار راستے میں تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک صحابی سے حضور ﷺ کی ملاقات ہوئی تو اس صحابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں دو مسواکیں پیش کیں۔ حضور ﷺ نے ان کو بخوشی قبول فرما لیا۔ ان دو مسواکوں میں سے ایک بالکل سیدھی اور ایک ٹیڑھی تھی۔ حضور ﷺ کے اخلاق دیکھیے کہ جو سیدھی تھی، وہ اپنے ساتھی کو دے دی اور جو ٹیڑھی تھی وہ آپ ﷺ نے اپنے پاس رکھ لی۔

آپ ﷺ کی طرزِ گفتار بھی دل موہ لینے والی تھی۔ آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے کہ ایک ایک لفظ گنا جا سکتا تھا۔ اہمیت کی حامل بات کو دو تین مرتبہ دہرایا کرتے تھے۔ غیر ضروری طوالت سے گریز فرمایا کرتے تھے اور اختصار اور جامعیت کو ملحوظ رکھتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اسی بات کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن ایک شخص نے صحابیٔ رسول، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں کھڑے ہو کر بات شروع کی، جو بہت زیادہ طوالت اختیار کر گئی۔ ان صحابی نے فرمایا کہ ''اگر یہ شخص بات مختصر کرتا تو اس کے لیے زیادہ بہتر تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں یہ مناسب سمجھتا ہوں یا مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ بات کرنے میں اختصار سے کام لوں، کیوں کہ بات میں اختصار بہتر ہوتا ہے۔'' (سنن ابو داوٗد)

رسول اللہ ﷺ کی کشادہ روی اور خوش اسلوبی تمام مسلمانوں کے لیے عام تھی اور کیوں نہ ہوتی کہ آپ ﷺ ان کے روحانی باپ تھے۔ تمام لوگ آپ ﷺ کے نزدیک حق میں فی نفسہٖ مساوی تھے، البتہ تقویٰ کی وجہ سے متفاوت تھے۔ گویا حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات، عالی صفات تمام اخلاق و خصائل، صفات و جمال میں اعلیٰ و اشرف و اقویٰ ہے۔ قرآن کریم میں آپ ﷺ کے اخلاق و صفات کے متعلق ارشاد ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم: 4)

ترجمہ: ''بلاشبہ آپ (ﷺ) بڑے ہی صاحبِ اخلاق ہیں۔''

ان تمام بابرکت سنتوں کی اتباع اور آپ ﷺ کے اخلاق و عادات پر صدق و اخلاص کے ساتھ عمل ہر مسلمان شخص کو کامیابی کی راہ پر لے جا سکتا ہے۔

بیلنس لائف، یعنی کہ زندگی میں وقت کو صحیح طرح سے تقسیم کرکے گزارنا ایک مفید اور قابلِ عمل ضابطہ حیات ہے۔

آپ آفس کے وقت پر کام کریں، نماز کے وقت نماز پڑھیں، شام کو گھر پر بیوی بچوں کو وقت دیں، کچھ وقت عزیز رشتہ داروں کے لئے، کچھ پڑھنے پڑھانے کے لئے، کچھ دین سیکھنے کے لئے، کچھ اللہ کے ذکر کے لئے اور کچھ اپنے کسی آئیڈیے یا وژن کے لئے جسے آپ مستقبل میں پروان چڑھانا چاہتے ہیں۔
اگر اس طرح سے وقت تقسیم ہو سکے (اور اس کی بھرپور کوشش بھی کرنی چاہئے) تو کیا کہنے۔

مگر ہمارے معاشرے میں یہ بہت مشکل کام ہے۔ اور ایسا نہ ہونے کی دو بنیادی وجوہات ہیں۔
پہلی تو یہ کہ معاشرے میں زندہ رہنے کی بنیادی شرائط مفقود ہیں۔

جس معاشرے میں سکون ہو نہ انصاف، بجلی ہو نہ پانی، سچائی ہو نہ دیانتداری وہاں آئیڈیلز کے ساتھ جینا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جاتا ہے۔
آدمی بیلنس لائف کا تو وہاں سوچے جہاں ہر شخص اپنے حصے کا کام کر رہا ہو۔
جہاں ایک ایک آدمی کو پورے پورے اداروں کا کام کرنا پڑے، پوری نسل کی آبیاری کرنی پڑے وہاں بیلنس لائف کا رونا نہیں رونا چاہئے۔
پتّہ ماری کی محنت کرنی ہی پڑتی ہے۔ مہنگے خواب دیکھنے کے لئے آنکھیں بیچنی ہی پڑتی ہیں۔
جب تک راَت کے اندھیروں کو دن کے اجالوں میں بدلنے کا فن نہ آئے۔ نصیب کی تاریکیاں دور نہیں ہوتیں۔
اگر آپ کسی بڑے منصوبے یا پلان پر کام کر رہے ہیں تو اس پر زندگی تباہ کرنی ہی پڑتی ہے، تب کہیں جا کے اُمید کی کوئی کِرن پھوٹتی ہے۔
چپ چاپ سر جُھکا کے کام کرتے رہیں اور بیلنس لائف ان کے لئے چھوڑ دیں جنہیں نہ تو بیلنس کا مطلب آتا ہے نہ لائف کا۔

دوسری وجہ بیلنس لائف پر عملدرآمد نہ ہو سکنے کی ہر فیلڈ، ہر شے میں تکمیل (پرفیکشن) کا جنون ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا بچہ امتحانوں میں بھی سرفہرست رہے۔ بیت بازی میں بھی اس کا کوئی ثانی نہ ہو، کرکٹ ایسی کھیلے کہ لوگ دانتوں میں انگلیاں دبا لیں۔

ڈاکٹر ذیشان الحسن عثمانی

زبان یوں بولے کہ لکھنؤ کی یاد تازہ ہو جائے اور دین پر ایسی گرفت کہ امام غزالیؒ کا گمان ہو۔ ہمارا بس چلتا تو بچہ فیکٹری سے آرڈر پر بنوا لیتے (ویسے یہ دن بھی دور نہیں ہے)
اور اِس پہ فتنہ یہ کہ اب اِسی بچے کو تلوار بنا کر پڑوسیوں، رشتہ داروں اور ملک کے باسیوں کی گردنیں اتارنے لگتے ہیں۔
کیا ہی کم ظرفی ہے کہ اُس چیز پر اِتراتے ہیں جو سر تا پا خُدا کی دین ہے اور اپنا کوئی کمال ہی نہیں ہے۔

دو سو سال سے برصغیر پاک و ہند میں اُمت اِس انتظار میں ہے کہ

ایسا عالمِ دین آئے جو فزکس کا بھی بادشاہ ہو، وہ شیخ الحدیث آئیں جو پائلٹ بھی ہوں، ایسا اِمام مسجد ہو جو بہترین بزنس مین بھی ہو وغیرہ وغیرہ۔
اسی دھما چوکڑی اور ذہن کے فتور میں نہ تو ہم بزنس مین اور پائلٹ بنا سکے اور نہ ہی شیخ الحدیث۔
جو شخص بخاری پڑھا لے وہ شیخ الحدیث اور جس نے نکڑ کی دکان کھول لی وہ بزنس مین۔ مغرب کے پاس پیسہ ہے دین نہیں۔ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں۔

ایسا نہیں ہوتا، خُدارا کوئی ایک فیلڈ کا اِنتخاب کریں اور زندگی لگا دیں۔ بعد میں آنے والے لوگ آپ کی بیلنس لائف کے گیت خود ہی گاتے رہیں گے۔

دنیا ہمت کی مرہون منّت ہے، حوصلہ کریں، ہمت باندھیں اور جو چاہیں وہ کر گزریں کون روکتا ہے۔
ہر شخص کا بیلنس (اعتدال) اپنا ہے۔ اونٹ کی ٹانگ کا بیلنس کچھ اور تو چوہے کی ٹانگ کا کچھ اور۔ ایک ہی معیار پہ سب کو جانچنے کا طریقہ کیا ہو؟
یہ لوگ امام غزالیؒ کے پاس کیوں نہیں گئے بیلنس لائف کا رونا روتے ہوئے جب وہ 12 سال کے لئے قاضی القضات (چیف جسٹس) کا عہدہ چھوڑ کر تصوّف کی راہ پر چل پڑے
قائدِ اعظمؒ کو کیوں نہیں ٹوکا کہ آپ تن تنہا کیا کروڑوں مسلمانوں کے ذمہ دار ہیں؟ علامہ اقبالؒ سے کیوں گلہ نہیں کیا کہ کیا اُردو فارسی میں آپ کے بعد کوئی شاعر نہ آئے گا؟
ان کی زندگیوں میں بیلنس لائف نہیں، جنون نظر آتا ہے۔ اب ایسے لوگوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا
اور میرے جیسے نالائقوں کو چند کتابیں پڑھنے اور چند لائنیں لکھنے پر لوگ بیلنس لائف، بیوی بچوں سے محبت اور گھر گرہستی کا طعنہ دینے آ جاتے ہیں۔
آیئے ایسی لائف گزارتے ہیں کہ یہ پروفیشنل ٹریز اپنی ورکشاپس میں مثال کے طور پر پیش کر سکیں۔ آمین